Shivaji University, Kolhapur

B.A.S.Y-SEM - III

URDU-OPTIONAL (CBCS) PAPER - VI (URDU NAZAM)

اِنتخابِ اُردو شاعری

بی۔اے۔سال دوّم میقات سوّم

Syllabus Book for Distance Education, Shiva University, Kolhapur

BY:Dr.Sabiha Sameeroddin Sayyed

Assitant Professor, Urdu Night College, Ichalkaranji

اِنتخابِ اُردوُ شاعری

اُردو(اختیاری)

URDU (OPTIONAL)

بی۔اے۔سال دوّم

B.A.SECOND YEAR

میقات سوّم

SEMESTER THIRD

Edited By

Dr.Sabiha Sameeroddin Sayyad

(H.O.D.Urdu Night College, Ichalkaranji)

مرتب

ڈاکٹر صبیحہ سمیر الدین سیّد

(صدر شعبۂ اُردو نائٹ کالج، اچلکرنجی)

w.e.f.2019-2020

مقاصدِ نصاب

۱) B.A اُردو زبان کے ذریعے کسی بھی فلیڈ میں Translation

۲) ایک کامیاب ترجمہ نگار تیار کرنا۔

۳) مثالی اور کامیاب ترجمہ نگاروں کا علم حاصل کرنا۔

۴) ہندوستانی اور بین الاقوامی ادب کا مطالعہ اور ترجمہ کرنا۔

۵) نظم نگاری، مرثیہ، مثنوی غزل وغیرہ کے اصناف کا مطالعہ کر کے شاعری کو سمجھنا۔

۶) نظم نگاری کا تعارف کرانا اور نظم کی مختلف اقسام سے واقفیت حاصل کرنا۔

۷) اخبار، ٹی۔وی۔ ریڈیو، انٹرنیٹ کے ذریعے عوام تک اُردو زبان کو فروغ دینا اور ذرائع معاش کے موقع فراہم کرانا۔

۸) عملی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرانا۔

۹) ڈرامہ، ناول، افسانہ، داستان کے ذریعے طلبہ میں Acting، انسانی زندگی کے حقیقی کردار کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرانا۔

۱۰) طویل نظم کے ذریعے سے دنیا میں جنگ اور امن وامان کے مسائل کو جاننا۔

وائس چانسلر

شیواجی یونیورسٹی، کولہاپور

فہرست

Unit -1

۱) اردو نظم کی تعریف
۲) اُردو نظم کا آغاز وارتقاء
۳) نظم معریٰ
۴) آزاد نظم
۵) نثری نظم

Unit-2

۱) حقیقت حسین۔۔۔۔۔علامہ اقبال
۲) بدلی کا چاند۔۔۔جوش ملیح آبادیؔ

Unit-3

۱) مجھ سے پہلی محبت۔۔۔۔فیض احمد فیضؔ
۲) تاج محل۔۔۔۔۔۔ساحر لدھیانویؔ

Unit-4

۱) اجنتا۔۔۔۔۔۔سکندر علی وجدؔ
۲) بازیابی۔۔۔۔۔۔شفیق فاطمہ

اکائی 1 ۔نظم

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 نظم کا فن

1.3 پابند نظم

1.4 نظم معریٰ

1.5 آزاد نظم

1.6 نثری نظم

1.7 اُردو کی قومی اور وطنی شاعری اور تحریک آزاد

1.8 نظم کا ارتقاء

1.9 خود مطالعہ کے لیے سوالات کے جوابات

1.10 مشقی سوالات

1.11 خلاصہ

1.12 اصطلاحات، الفاظ و معنی

1.13 مزید مطالعہ کے لیے کتب

1.0 مقاصد

اس باب کے مطالعہ کے بعد درج ذیل نکات سے آگاہ ہوں گے۔

☆ نظم کی تعریف بحیثیت صنف سے واقف ہوں گے۔

☆ نظم کی مختلف قسموں سے واقف ہوں گے۔

☆ اُردو کی قومی اور وطنی شاعری اور تحریک آزادی میں نظم کے کردار سے واقف ہوں گے۔

☆ نظم کے عہد بہ عہد ارتقاء سے واقف ہوں گے۔

1.1 تمہید

وسیع معنوں میں نظم سے مراد جملہ شاعری ہے۔لیکن عام طور پر نظم ایک مخصوص صنف فن ہے۔جس کے تمام اشعار ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔نظم میں کسی بھی طرح کے خیال اور جذبے کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔اس طرح نظم میں ایک پوری کہانی، واقعہ یا طویل خیال کو پیش کیا جاسکتا ہے۔نظم کے موضوعات متنوع ہوتے ہیں۔زمانہ قدیم میں اُردو میں موضوعاتی نظمیں لکھی جاتی تھیں جس کی مثال ہمیں قطب شاہی سلطنت کے پانچویں فرمان روا سلطان محمد قلی قطب شاہ کے پاس ملتی ہیں۔نظیر اکبرآبادی نے بھی مختلف موضوعات پر نظمیں لکھ کر اس صنف کو وسعت بخشی۔

نظم کو ترقی کی معراج پر پہنچانے والوں میں محمد حسین آزاد، حالؔی، شبلؔی، اسمعیل میرٹھی، جوش ملیح آبادی، چکبست، نظم طباطبائی، اقبال، نادر کاکوروی، اکبرالہ آبادی، سیماب اکبرآبادی، صفی، درگاہ سہائے سرور جہاں آبادی، ظفر علی، حفیظ جالندھری اختر شیرانی، ساغر نظامی، ماہر القادری، اثر لکھنوی، اسرارالحق مجاز، مخدوم محی الدین، ن۔م۔راشد، میراجی، علی سردار جعفری، معین احسن جذبؔی، عظمت اللہ خان، تاجور نجیب آبادی، اختر الایمان، احسان دانش، مظہری، سکندر یوجد، قاضی سلیم، بشر نواز وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

1.2 نظم کا فن

نظم کے لغوی معنی دھاگے میں موتی پرونے کے ہیں۔زرگر یا سنار جب زیور بناتا ہے تو منکوں اور موتیوں کی خاص خاص اشکال میں ترتیب دے کر صناعی کے سہارے حسین زیورات تیار کرتا ہے۔اسی طرح شاعر اپنے خیالات کو یکجا کر کے شعر کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔آتشؔ کہتے ہیں۔

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام آتشؔ ہے مرصع ساز کا

ایک شاعر یا فنکار اپنی ضرورت شعری کے لحاظ سے شاعری کے خدوخال البتہ بدلتا رہتا ہے جس سے نظم کے مختلف پیکر اور غزل اور دوسری شعری ہیئتیں معرض وجود میں آتی ہیں اور کہیں غزل کہیں قصیدہ، کہیں مرثیہ اور کہیں رباعی وغیرہ کہلاتی ہیں۔ لیکن اس کی دو ہیئتیں نظم و غزل اپنی خاص شناخت رکھتی ہیں۔

نظم ان معنوں میں دوسری اصناف سے ممتاز ہے کہ کوئی خاص عنوان کے تحت لکھی جاتی ہے۔اس کے خیالات مربوط

(2)

نظم ان معنوں میں دوسری اصناف سے ممتاز ہے کہ کوئی خاص عنوان کے تحت لکھی جاتی ہے۔اس کے خیالات مربوط اوراس کا بیان مسلسل ہوتا ہے۔ یہ ربط اور تسلسل نظم کے لیے نظم کے لازمی ہے۔مثنوی میں کسی واقعہ،منظر،تقریب یا کہانی بیان کی جاتی ہے۔اس کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔لیکن ہر شعر کا قافیہ اور ردیف جداگانہ ہوتے ہیں۔اگر چہ ربط اور تسلسل مثنوی کے لیے ضروری ہے لیکن نظم اپنے عنوان کے پابند ہوتی ہے۔قصیدے میں کسی کی تعریف یا مذمت کی جاتی ہے۔قصیدے کی ہیئت ترکیبی وہی ہے جو غزل کی ہوتی ہے۔غزل میں تسلسل کا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن قصیدے میں تسلسل ہوتا ہے۔قصیدے کے خیالات بہت اونچے ہوتے ہیں اور اس میں مبالغے سے کام لیا جاتا ہے۔مبالغہ قصیدہ کی جان ہے۔غزل کے تمام مطالعے ایک کے بعد ایک لکھے جاتے ہیں جن کو حسن مطلع یا زیب مطلع کہتے ہیں۔قصیدے کے مطالعے تسلسل سے نہیں لکھے جاتے بلکہ کئی اشعار کے بعد ایک مطلع پیش کیا جاتا ہے۔تخلص غزل کے آخری شعر میں ہوتا ہے۔یہ پابندی قصیدے کے لیے ضروری نہیں ہے۔قصیدے کے آخری حصہ میں شاعر کہیں بھی اپنا تخلص لاسکتا ہے۔اس طرح سے نظم دوسری اصناف کے مقابلہ میں اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔

نظم کے لیے کوئی ہیئت مقرر نہیں ہے۔نظم غزل کی صورت میں بھی لکھی جاسکتی ہے۔مخمس یا مسدس کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے۔نظم کو مختلف بندوں میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور یہ بند خیال کی اکائی کے مطابق برابر یا چھوٹے بڑے ہوسکتے ہیں۔

1.3 پابند نظم

پابند نظم اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں ردیف ، قافیہ اور بحر کے مقررہ اوزان کی پابندی کی جاتی ہے۔ پابند نظم میں کوئی بھی موضوع نظم کیا جاسکتا ہے۔اس میں موضوعات کی کوئی قید نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اشعار کی تعداد کی۔ شاعری کسی بھی موضوع پر اور کتنی ہی تعداد میں اشعار کہہ سکتا ہے۔اُردو شاعری کا بڑا حصہ پابند نظموں پر مشتمل ہے۔ابتداء سے لے کر تا حال تقریباً تمام شاعروں نے پابند نظم نگاری کی ہے اور آج بھی آزاد اور معریٰ نظموں کے باوجود پابند نظمیں ہی زیادہ لکھی جارہی ہیں۔

پابند نظم کے لیے شاعر سب سے پہلے بحر کا انتخاب کرتا ہے اس کے بعد ہی اس کو طے کرنا ہوتا ہے کہ اس کی ہیئت کیا ہوگی۔اس کو بندوں میں تقسیم کیا ہے۔چار، پانچ، چھ،سات، آٹھ،نو، دس اشعار کا ایک بند ہوسکتا ہے۔ یہ بند اکثر برابر برار ہوتے ہیں۔لیکن کبھی کبھی چھوٹے بڑے بھی ہوسکتے ہیں۔اقبال نے اپنی نظم ''ہمالہ'' کے لئے مسدس کا انداز ہ اختیار کیا ہے۔ یعنی بچہ مصرعوں کا ایک بند رکھا ہے جس کے چار مصرعوں کے ردیف اور قافیے الگ الگ ہیں لیکن اپنی ایک دوسری نظم مسجد قرطبہ کے لئے آٹھ،نو، دس، اشعار کا ایک بند ہوسکتا ہے۔ یہ بند اکثر برابر برابر ہوتے ہیں۔لیکن کبھی کبھی چھوٹے بڑے بھی ہوسکتے

(2)

اقبال نے اپنی نظم ''ہمالہ'' کے لیے مسدس کا انداز اختیار کیا ہے یعنی چھ مصرعوں کا ایک بند رکھا ہے جس کے چار مصرعوں کے ردیف اور قافیے الگ الگ ہیں لیکن اپنی ایک دوسری نظم مسجد قرطبہ کے لئے آٹھ اشعار کا ایک بند مقرر کیا ہے اور آٹھ بندوں میں نظم کہی ہے۔اس طرح مسجد قرطبہ کے (۶۴) اشعار ہیں۔ یہ شاعر کی مرضی ہے کے نظم کے لیے جو بھی ہیئت موزوں اور مناسب ہو وہ اختیار کرے۔

غرض نظم میں ہیتی تجربے بھی ہوتے رہتے ہیں۔عظمت اللہ خان نے اس سلسلے میں پہل کی اور ہیتی تجربات میں کامیاب بھی رہے۔حالؔی نے نظم گوئی کے لیے قافیہ، ردیف اور بحر کی شرط کو نرم کرنے اور شاعر کو زیادہ آزادی سے اپنے خیالات پیش کرنے کی اجازت دی تھی۔اسی اجازت سے فائدہ اٹھا کر اور انگریزی ادب سے متاثر ہو کر شعراء نے مختلف ہیتی تجربات کیئے۔

1.4 نظم معریٰ

اس قسم کی نظم میں قافیے ردیف کی پابندی نہیں ہوتی لیکن تمام مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں اور ان میں تسلسل پایا جاتا ہے۔یعنی معریٰ نظم ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وزن بھی ہوتا ہے اور ارکان بحر کی پابندی بھی کی جاتی ہے البتہ اس میں قافیہ اور ردیف سے کام نہیں کیا جاتا۔چونکہ یہ قافیہ سے عاری ہوتی ہے اس لیے ابتدائی زمانہ میں اس کو غیر مقفع نظم کہا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں معریٰ نظم کی اصطلاح کو قبول عام حاصل ہوا۔اُردو میں پہلی بار لاہور میں انجمن اسلام کے جلسہ میں ایسا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں طرح مصرع دینے کے بجائے موضوع دیا گیا اور قافیہ ردیف کی پابندی ختم کی گئی۔اُردو میں معریٰ شاعری کا پہلا نمونہ مولانا محمد حسین آزاد کے یہاں ملتا ہے۔ بعد میں ترقی پسند شاعروں نے بھی ردیف اور قافیوں کا استعمال ترک کر کے معریٰ نظمیں لکھیں پھر تو یہ ایک مزاج، ایک رواج سا بن گیا۔اُردو میں معریٰ نظم کا سرمایہ زیادہ نہ صحیح لیکن خاطر خواہ ضرور ہے اور ہمارے ممتاز اور صفحہ اوّل کے شعراء نے بھی اس ہیئت کو اختیار کیا ہے۔انگریزی میں اسے Blank verse کہتے ہیں مثلاً فیض کی نظم کا یہ بند نظم معریٰ کی مثال ہے۔

پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات اترنے لگا تاروں کا غُبار
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں نہیں آئے گا

1.5 آزاد نظم

آزاد نظم میں بحر کی پابندی ہوتی ہے لیکن مصرعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں لیکن ارکان کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ آزاد نظم بھی مغرب سے لی گئی ہیئت ہے اور اُردو میں یہ ہیئت بے حد قبول ہوئی۔ بحر کے ارکان اور اس کے اوزان کی پابندی ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ معریٰ نظم میں بحر کے مقررہ اوزان استعمال ہوتے ہیں، یعنی اگر پہلے مصرع میں بحر کے چار ارکان استعمال ہوئے ہیں تو اس کی پابندی نظم کے ہر مصرع میں ہوتی ہے۔ جبکہ آزاد نظم میں بحر کے ارکان کی تعداد ہر مصرع میں متعین نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے مصرعے چھوٹے بڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اختر الایمان کی نظم ''عہد وفا'' بحر متقارب میں لکھی ہوئی ہے لیکن اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہیں۔ نظم اس طرح ہے:

یہاں اب سے کچھ سال پہلے
مجھے ایک چھوٹی سی بچی ملی تھی
جسے میں نے آغوش میں لے کے پوچھا تھا بیٹی
یہاں کیوں کھڑی رو رہی ہو
مجھے اپنے بوسیدہ آنچل میں پھولوں کے گہنے دکھا کر
وہ کہنے لگی میرا ساتھی
ادھر اس طرف ہی
جدھر اونچے محلوں کے گنبد ملوں کی سیہ چمنیاں،
آسماں کی طرف سر اٹھائے کھڑی ہیں
یہ کہہ کر گیا ہے
کہ میں سونے چاندی کے گہنے
تیرے واسطے لینے جاتا ہوں رانی

دراصل یہ اثر فارسی کا نہیں بلکہ عربی کا ہے اور کچھ کچھ مغربی ادب بھی اثر انداز ہوا ہے۔ اس پوری نظم میں فعولن کے وزن سے تقطیع کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مخدومؔ کی نظم ''قیدی'' کا وزن فاعلاتن فعلاتن فعلن ہے۔ یعنی بحر رمل مسدس مجنون میں اس کی تقطیع کی جا سکتی ہے۔

1.6 نثری نظم

آجکل نثری نظم لکھنے کا رجحان عام ہوتا جارہا ہے۔نثری نظم کے نمائندہ شاعر ڈاکٹر خورشید الاسلام ہیں۔نثری نظم میں بحر، ردیف، قافیہ کسی چیز کی پابندی نہیں کی جاتی لیکن خیال کو جن الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے ان میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی یعنی نپے تلے الفاظ میں اپنے خیال کو پیش کرنا نثری نظم ہے۔حقیقت میں نثری نظم سہل نگاری کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔جو لوگ بغیر محنت کیے ہوئے شاعر کی حیثیت سے مشہور ہونا چاہتے ہیں وہ نثری نظم کا سہارا لیتے ہیں۔نثری نظم کے تعلق سے جے۔پی سعید صاحب کی رائے یہ ہے کہ :

عجز اظہار ہیں نثری نظمیں
سیدھی سادی عبارت ہوتی

بہ الفاظ دیگر نثری نظم کہنے والے نثر لکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔لیکن اس کا جواب نثری نظم والوں نے یہ دیا کہ وہ اپنے جذبات اور واردات کو من وعن الفاظ کا جامہ پہنا رہے ہیں۔

1.8 نظم کا ارتقاء

صنف نظم کی تاریخ کم وبیش اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اُردو شاعری کی۔ اُردو کے قدیم ترین سرمایہ میں مسلسل موضوعاتی نظمیں ملتی ہیں۔ دکنی زبان میں نظم کی بنیاد مثنوی پر رکھی گئی ہے اور اس کے بعد غزل، قصیدہ اور رباعی کا آغاز ہوا۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے زمانے میں فخر والدین نظامی درباری شاعر تھا۔ اس کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' مشہور ہے۔ اس دور میں صوفیائے کرام نے بھی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظموں کا موضوع تصوف ہے۔ وہ غزلیں اور دوہے بھی کہتے تھے۔ فارسی اور عربی کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے تھے۔ اس لیے ان کے طرز بیان میں سادگی پائی جاتی ہے۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد دکن میں پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ان میں احمد نگر کی شاعری میں اشرف بیابانی اور شوقی کے نام قابل ذکر ہیں جن کی مثنویاں مشہور ہیں۔ گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کا پانچواں بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ ایک مقبول اور کامیاب بادشاہ ہونے کے علاوہ ایک باکمال شاعر بھی تھا۔ اس نے تو مختلف موضوعات پر بڑی دلکش نظمیں لکھی ہیں جو زبان کی قدامت کے باوجود شعریت سے بھرپور اور غیر معمولی ادبی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی، فائز، عبدل، رستمی، نصرتی وغیرہ نے بھی مثنویاں لکھی ہیں۔ ولی اورنگ آبادی نے شہر سورت کی تعریف میں بہت خوبصورت نظم کہی ہے۔ اس طرح یہ سمجھنا کہ اُردو میں نظم گوئی کا رواج نہیں تھا صحیح نہیں ہے۔ اس دور کے شعراء نے نظم گوئی کے لیے مختلف ہیتی تجربے کیے۔ یعنی نظموں کے لیے غزل اور مثنوی کی ہیئت استعمال کی گئی۔ بعض شعراء نے مخمس اور مسدس کی شکل میں بھی نظمیں کہی ہیں۔ ان کی بعض نظمیں اُردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ مثلاً ''آدمی نامہ''، ''روٹی''، کلجگ وغیرہ۔ انہوں نے ہولی، دیوالی، عید اور شب برات پر بھی نظمیں کہی ہیں۔ گرمی، برسات اور بہار پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غرض کہ ان کی نظمیں زندگی کے تمام امکانات کا احاطہ کرتی ہیں۔ پھلوں میں تربوں اور عمارتوں میں تاج محل پر ان کی نظمیں لاجواب ہیں۔ بعض نظمیں ذوق سلیم پر گراں گزرتی ہیں۔ مثلاً لڑکپن، برسات اور پھسلن یا ریچھ کا بچہ وغیرہ لیکن چونکہ نظیر عوامی شاعر تھے اور ان کا مقصد عوامی جذبات کی عکاسی تھا۔ اس لیے انہوں نے ایسے موضوعات کو عنوان بنایا جن کا تعلق راست عوام سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نظمیں اہل ذوق کی تسکین کا سامان فراہم نہیں کرسکتیں۔ بہرحال نظیر کو اپنے دور کا ایک بڑا شاعر ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ انہیں ایک نئی طرز اور نظم جدید کا نقیب کہا جاسکتا ہے۔

نظیر کے طویل عرصے کے بعد حالی، آزاد اور ان کے رفقاء کا دور آیا۔ جنہوں نے انگریزی ادب سے متاثر ہوکر فن تنقید کی بنیاد ڈالی۔ شاعری اور ادب کو مقصدی، افادی، فطری اور حقیقت پسندی کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا۔

مسدس حالی نے مسلمانوں کو کافی متاثر کیا۔ ان کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ان سے بری عادتوں کو چھڑانے میں مدد کی اور اس کے نتیجے میں اقبال، ظفر علی خاں اور اکبر الہٰ آبادی جیسے شاعر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے انداز سے مسلمانوں کی

رہنمائی کی۔اس اعتبار سے مسدس حالؔی ایک اہم کتاب ہے۔

نظم گوئی کی روایت میں ایک انقلاب اس وقت رونما ہوا جب انجمن پنجاب کے مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا۔اس کے مشاعروں میں مصرعہ ''طرح'' کی بجائے موضوع دیا جاتا اور شعراء اسی موضوع پر مسلسل نظمیں لکھتے۔اس دور کے اہم شعراء میں حالؔی کے علاوہ محمد حسین آزاد کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

محمد حُسین آزاد کے ''مجموعہ نظم آزاد'' میں ابتدائی دس مثنویاں وہی ہیں جو انجمن پنجاب کے مشاعروں میں پڑھی گئی تھیں۔ان میں پہلی مثنوی ''شب قدر'' ہے۔''شب قدر'' کا شمار ان نظموں میں ہوتا ہے جن سے جدید اُردو شاعری کا آغاز ہوا۔محمد حُسین آزاد کی فکر، الفاظ کا انتخاب اور تخیل کی بلندی مسلمہ ہے۔لیکن ان خوبیوں کے باوجود ان کی جدید نظمیں قدیم رنگ سے زیادہ قریب ہیں۔محمد حُسین آزاد کی نظم ''ابر کرم'' اور حالؔی کی نظم ''برکھارت'' کا موضوع ایک ہی ہے دونوں نے برسات کی خوبیاں اپنے اپنے انداز میں بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہیں۔حالؔی یقیناً جدید اُردو نظم کے بانی ہیں۔ان کی نظمیں، برکھارت، مناظرہ رحم وانصاف اور مسدس حالؔی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حالؔی کے بعد اکبر الہ آبادی نظم کے ایک اہم شاعر ہیں۔انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی کی اندھی تقلید کرنے سے روکا اور مشرقی تہذیب کو زندہ رکھنے اور اس کو رواج دینے پر زور دیا۔چنانچہ لکھتے ہیں۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ کو چھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

چکبست بھی اس دور کے نظم گو شعراء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ان کو ایک محبّ وطن شاعر کی حیثیت سے سیاسی آزادی کی تحریک سے دلچسپی تھی۔وہ جدوجہد آزادی کے مجاہدوں کی قدر کرتے تھے۔چنانچہ انہوں نے بال گنگا دھر تلک اور گوپال کرشن گوکھلے کی وفات پر نہایت پراثر مرثیے لکھے۔انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے حصول آزادی کے جذبے کو جگایا اور ہندو مسلم اتحاد کا پیغام دیا۔

اُردو نظم کے ارتقاء میں سب سے اہم نام اقبال کا ہے۔انہوں نے اُردو شاعری کو زندگی کی اعلیٰ قدروں سے مالا مال کر دیا۔اس کو آفاقی دل و دماغ بین الاقوامی وسعت نظر اور بالغ نظری بخشی جس نے انسان کو عظمت سے آگاہ کیا۔خودی کی بلندی اور اپنی ذات کے عرفان کو انسان کی کامیابی کا ذریعہ کیا۔غرض کہ اقبال نے اُردو شاعری کو جو کچھ دیا اس کا مقابلہ اُردو کا بڑے سے بڑا شاعر بھی نہیں کر سکتا۔

اقبال کے دور تک نظم لکھنے والے شعراء کی تعداد کافی بڑھ گئی۔ان میں اکبر اور چکبست کے علاوہ نادر کاکوروی، سیماب

(2)

سلیم پانی پتی، نظیر، صفی، ظریف، درگا سہائے سرور، ظفر علی خاں، محروم، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، اختر ساغر نظامی، ماہر القادری اثر لکھنوی وغیرہ بہت اہم ہیں۔ اقبال کے بعد جوش ملیح آبادی کی شاعرانہ شخصیت سب سے نمایاں ہے۔ جوش نے اُردو شاعری اور خصوصاً نظم کو بھرپور جوانی اور انقلابی توانائی بخشی وہ شاعر فطرت بھی ہیں اور شاعر انقلاب بھی۔ ان کے یہاں انانیت، رندیت، سرمستی جمالیاتی حس پائی جاتی ہے۔ اس دور کی مقبول ترین شعری تخلیق میں حفیظ جالندھری کا ''شاہنامہ اسلام'' بھی قابل ذکر ہے۔

اُردو نظم نے ہر زمانے میں ترقی کی جانب قدم بڑھائے ہیں۔ چنانچہ جب ترقی پسند تحریک شروع ہوئی تو ترقی پسند شاعروں نے اُردو نظم کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا اگرچہ ان کی نظموں میں کمیونزم کی تعلیم ملتی ہے لیکن یہ نظمیں صرف پروپگنڈہ کے لئے نہیں لکھی گئیں بلکہ ان میں زندگی کی حرارت جذبات کا اظہار اور فنی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان شعراء میں علی سردار جعفری، احسان دانش، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، فیض احمد فیض، اسرار الحق مجاز، معین احسن جذبی، جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی، احمد ندیم قاسمی، حمایت علی شاعر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جن لوگوں نے ترقی پسندی کو قبول نہیں کیا لیکن اپنے فن سے اُردو نظم کی خدمت کی ان میں شمیم کرہانی، بال مکند عرش ملیانی، اختر شیرانی، وامق جون پوری، سکندر علی وجد، غلام ربانی تاباں، اختر الایمان، علی جواد زیدی وغیرہ شامل ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نظم میں ہیئتی تجربے بھی ہوتے رہے ہیں۔ عظمت اللہ خان اس سلسلے میں قابل ذکر ہے۔

معلومات کی جانچ۔ 1

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجئے۔

۱) نظم کے لغوی معنی کیا ہے؟

۲) نظم کے لیے کون سی چیز لازمی ہے؟

۳) نظم معریٰ کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

۴) نظم معریٰ کسے کہتے ہیں؟

۵) آزاد نظم کسے کہتے ہیں؟

1.9 خود مطالعہ کے لیے سوالات کے جوابات

1.10 مشقی سوالات

1.11 خلاصہ

1.12 اصطلاحات، الفاظ و معنی

1.13 مزید مطالعہ کے لیے کتب

اکائی 2 ۔حقیقتِ حُسن

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 مصنف کا تعارف

1.3 نظم

1.4 خلاصہ

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کے وہ اُردو کے نامور شاعر علامہ اقبال کے حالات زندگی اور ادبی خدمات سے روشناس کرائیں۔

اس اکائی میں شامل علامہ اقبال کی نظم ''حقیقت حُسن'' کی تشریح کریں۔

☆ نظم بہ حقیقتِ حُسن کا جائزہ لیتے ہوئے اسکے مرکزی خیال کی نشان دہی کریں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں اُردو نظم کے مشہور شاعر اقبال کا تعارف کرائیں گے اور انکی نظم کا مزکری خیال بتاتے ہوئے اس نظم کی تشریح بھی کریں گے اور اس نظم کا عمومی جائزہ بھی لیں گے۔

1.3 مصنف کا تعارف:

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) شیخ محمد اقبالؔ کے آباواجداد کشمیری برہمن تھے۔قبولِ اسلام کے بعد ان کا خاندان سیالکوٹ میں آباد ہوگیا۔یہیں اقبال کی ولادت ہوئی۔ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔اقبال کی ابتدائی تعلیم سید میر حسن کی نگرانی میں ہوئی۔اقبال فلسفے میں ایم۔اے کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ ہندوستان واپس آ کر کچھ مدت کے لئے اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد وکالت شروع کی۔ اقبال اُردو زبان کے نہایت بلند پایہ شاعر گذرے ہیں۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو بیدار کیا۔ اقبال کو حکیم الامت اور شاعرِ مشرق کہا جاتا ہے۔ انھوں نے خودی کا فلسفہ پیش کیا۔ خودی کا مفہوم ہے: خودشناسی اور خودآگہی۔ اقبال کا کہنا ہے کہ خودی کے استحکام اور تکمیل سے انسان مردِ کامل بن جاتا ہے۔ اور مردِ کامل بننا ہی انسانیت کی معراج ہے۔ اقبال نے غزلیں بھی کہی ہیں۔

لیکن اصل میں وہ نظم کے شاعر ہیں۔ اقبال کا کلام تمام شعری لوازمات سے آراستہ اور نہایت متاثر کن ہے۔ اقبال کے کلام میں ترنم اور موسیقی بھی بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اقبال نے شاعری سے پیغمبری کا کام لیا ہے۔ اقبال اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی کے بھی بڑے شاعر تھے۔ 'بانگِ درا'، 'بالِ جبرئیل'، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' اقبال کی اُردو شاعری کے مجموعے ہیں۔

1.3 نظم

علامہ اقبال

حقیقتِ حسن

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شب درازِ عدم کا افسانہ ہے دنیا

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سُنی
فلک پہ عام ہوئی اختر سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتادی زمیں کے محروم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہوگیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار آگیا
شباب سیر کو آیا تھا ، سوگوار گیا

1.4 خلاصہ

اقبالؔ کی یہ نظم مختصر ہے کل چودہ مصرعے ہیں ان مصرعوں میں اقبالؔ نے بتایا ہے کہ دنیا کی ہر شئے فانی ہے خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت ہو۔ اقبالؔ نے اس کی مثالیں پیش کی ہیں۔ چاند صبح کے ستارے، صبح شبنم ، پھول ، موسمِ بہار، شباب سب ناپائدار ہیں۔ اس دنیا میں کچھ دیر کیلئے آتے ہیں، اپنی بہادری دکھا کر غائب ہوجاتے ہین۔ ان مثالوں سے اقبالؔ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ حسن کو بھی فنا ہونا ہے۔ خواہ وہ چاند میں ہو یا شبنم میں۔ موسم بہار ہو، یا عہدِ جوانی، سب ناپائدار اور فنا ہونے والے ہیں۔ فطرت کا یہی اُصول ہے۔

تشریح پہلا شعر:۔ ایک روز حسن نے خدا سے یہ سوال کیا کہ تو نے مجھے دنیا میں بھیجا مگر لازوال نہیں بنایا۔ یعنی حسن میں کمی آئے گی، حسن برقرار نہیں رہے گا۔

دوسرا شعر:۔ خدا کی جانب سے جواب آیا کہ یہ دنیا ایک تصویر خانہ ہے۔ جس میں طرح طرح کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ تصویریں اصل شئے کا عکس ہوتی ہیں، یہ دنیا تو فنا کی لمبی رات کی ایک کہانی ہے۔

تیسرا شعر:۔ یہ دُنیا تو تغیر کے رنگ سے ہی سامنے آتی ہے۔ یعنی دُنیا کی اشیاء بدلتی رہتی ہیں۔ صبح کے بعد دوپہر، دوپہر کے بعد شام اور پھر رات۔ لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا، یہی تغیر یعنی تبدیلی کا رنگ ہے۔

چوتھا شعر:۔ چاند قریب ہی موجود یہ باتیں سن رہا تھا، اس نے آسمان پر سب کو بتادیا۔ صبح کے ستارے نے بھی یہ بات سنی۔

پانچواں شعر: صبح کے ستارے نے سن کر صبح کو بتایا اور صبح سے شبنم تک یہ بات پہنچی۔ اس طرح آسمان کی یہ بات زمین

پر آتی ہے۔

چھٹا شعر: شبنم نے آسمان پر ہونے والی بات پھول کو سنادی۔ شبنم کے بات سن کر پھول کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کلی جو کھلی نہیں تھی، اس کا ننھا سا دل غم سے خون ہو گیا۔ یعنی اس پر افسردگی طاری ہوگئی۔

ساتواں شعر:۔ پھول اور کلی کی حالت دیکھ کر موسم بہار روتا ہوا رخصت ہوا۔ شباب باغ کی سیر کرنے آیا تھا، وہ خوش ہونے کے بجائے سوگوار ہو گیا۔

اقبال نے ان سات اشعار میں حسن سے بات شروع کر کے شباب پر ختم کی۔ اور یہ بتادیا کہ ہر شئے بدلتی ہے اور فنا ہوتی ہے۔ حقیقت حسن یہ ہے کہ وہ بھی دنیا کی دیگر اشیاء کی طرح فنا ہونے والا ہے۔

1.5 فرہنگ

الفاظ اور معنی

صباحت	:	سفیدی
سفینے	:	سفینہ کی جمع، کشتی
غرفہ	:	کمرہ، بالا خانہ، کھڑکی
کاوش	:	کوشش و کشمکش

1.6 مشقی سوالات

۱) حُسن نے خدا سے کیا سوال کیا ہے؟

۲)

اکائی 2 ۔بدلی کا چاند

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 مصنف کا تعارف

1.3 نظم

1.4 خلاصہ

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کے وہ اُردو کے نامور شاعر جوش ملیح آبادی کے حالات زندگی اور ادبی خدمات سے روشناس کرائیں۔

اس اکائی میں شامل جوشؔ کی نظم ''بدلی کا چاند'' کی تشریح کریں۔

☆ نظم بدلی کا چاند کا جائزہ لیتے ہوئے اسکے مرکزی خیال کی نشان دہی کریں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں اُردو نظم کے مشہور شاعر جوش کا تعارف کرائیں گے اور انکی نظم کا مزکری خیال بتاتے ہوئے اس نظم کی تشریح بھی کریں گے اور اس نظم کا عمومی جائزہ بھی لیں گے۔

1.3 مصنف کا تعارف:

جوش ملیح آبادی (۱۸۹۴ء۔۱۹۸۳ء) شبیر حسن خان نام ہے۔اتر پردیش کے ایک قصبے ملیح آباد کے ایک جاگیر دار خاندان میں ان کی پیدائش ہوئی پہلے شبیر تخلص تھا بعد میں جوش تخلص اختیار کیا۔ان کے والد، دادا اور پردادا بھی اپنے

وقت کے شاعر تھے۔اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن ذاتی محنت اور مطالعے سے زبردست علمی اور ادبی صلاحیت پیدا کر لی۔ روزگار کے سلسلے میں حیدرآباد آئے اور دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازمت حاصل کی۔حیدرآباد چھوڑنے کے بعد دہلی سے ایک ادبی رسالہ ''کلیم'' کے نام سے جاری کیا۔ آل انڈیا ریڈیو میں بھی ملازمت کی۔ بعد میں پاکستان منتقل ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔اقبال کے بعد جوش نظم کے بڑے شاعر ہیں۔جوشؔ غزل کے مخالف تھے۔ان کا شمار نظم کے بلند پایہ شاعروں میں ہوتا ہے۔جوش کی نظموں میں انقلابی گھن گرج بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔جوشؔ نے اپنی انقلابی نظموں سے ہندوستان کی جنگِ آزادی کی تحریک میں ایک نئی جان ڈال دی۔جوش کو شاعرِ انقلاب، شاعرِ فطرت اور شاعرِ شباب کہا جاتا ہے۔اُردو کے ایک نقاد خلیل الرحمان اعظمی لکھتے ہیں کہ ''جوش نے مناظرِ فطرت پر جس کثرت سے نظمیں لکھی ہیں اس کی مثال پوری اُردو شاعری میں نہیں ملے گی۔جوشؔ کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

1.3 نظم

بدلی کا چاند

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا ظلمت کا نشان لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے سے چاندی کے ورق برسانے لگا

وہ سانولے پن پر میداں کی ہلکی سی ہی دوڑ گئی
تھوڑا سا ابھر کر بادل سے وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

لو ڈوب گیا وہ بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرانے لگا

بادل میں چھپا تو کھول دیے ہیں دل میں دریچے ہیرے کے
گردوں میں جو آیا تو گردوں، دریا کی طرح لہرانے لگا

سمٹی جو گھنا تاریکی میں، چاندی ے سفینے لے کے چلا
سنکی جو ہوا تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا

فرفوں سے جو جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں سے جو ڈوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا

پردہ جو اُٹھایا بادل کا ، دریا پہ تبسم دوڑ گیا
چلن جو گرائی بدلی کی ، میدان کا دل گھبرانے لگا

کیا کاوش نور وظلمت ہے؟ کیا قید ہے؟ کیا آزادی ہے
انسان کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

1.4 خلاصہ :۔

بدلی کا چاند یہ نظم جوش ملیح آبادی کی تحریر کردہ نظم ہے یہ انکی فطری نظموں میں سے ایک ہے جو کافی مقبول ہوئی اس نظم میں انھوں نے چاند کی خوبصورتی اور فطرت کے حسین مناظر کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے بدلی میں چھپا ہوا چاند اپنی خوبصورتی سے پورے آسمان کو سطرح پر رونق بناتا ہے اس بات کو شاعر نے اس نظم میں بیان کیا ہے۔

شاعر اس نظم میں یہ کہنا چاہتے ہے کہ سورج کے ڈوب جانے کے بعد دنیا میں جو اندھیرا چھا جاتا ہے اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لئے فوراً چاند نکل آتا ہے اور اپنی روشنی پورے فلک پر نچھاور کرتا ہے جب چاند ہلکے ہلکے یعنی آہستہ آہستہ بادلوں میں چھپتا نکلتا ہے اور چاندنی کے ساتھ پورے آسمان پر دودھیا روشنی برسانے لگتا ہے اس منظر کو شاعر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

چاند نکلنے سے پہلے آسماں کی کیفیت کو شاعر نے حقیقی انداز میں بیان کیا ہے کہ آسمان کے میدان پر ہلکی سی ہوائیں چل رہی ہے ان ہواؤں کے بیچ ہلکا سا اندھیرا چھایا ہوا ہے اور کچھ جگہوں پر آسمان میں بادل کے ٹکڑے بھی نظر آرہے ہیں۔ ان بادلوں کے بیچ چاند اپنا چہرا کبھی چھپاتا کبھی دکھاتا نظر آتا ہے یعنی شاعر نے چاند کی آنکھ مچولی کو بڑے دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔

شاعر یہاں یہ کہنا چاہتے ہے کہ جب دنیا میں اندھیرا چھاتا ہے قدرت اپنے کام کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے جس طرح فطرتِ قدرت سورج کے بعد چاند کو روشن کرتی اسی طرح انسان کے زندگی میں بھی اندھیرے کے بعد اُجالا اور رات کے بعد صبح ہونا لازمی ہے۔ اس نظم میں جوش ملیح آبادی نے فطری منظر کے تعلق سے بیان کرتے ہوئے اسی فطرت کے قانون کی مثال

دے کر دُنیا میں بُرائی کے بعد اچھائی کا علم دیا ہے کہ ملک میں جب ظلم وستم ہوتا ہے۔اسکے بعد انقلاب کے برپا ہونے اور لوگوں کو آزادی ملنے کا ذکر بھی کیا ہے۔کیونکہ میں فطری شاعر ہونے کے علاوہ انقلابی شاعر بھی ہے اسلئے اس نظم میں انھوں نے فطرت کی روشنی میں انقلاب کا پیغام بھی پیش کیا ہے۔

اس نظم میں جوش ملیح آبادی نے چاند کی خوبصورتی کو بڑے بہترین انداز مین بیان کیا ہے شاعر کہتے ہے کہ جب

1.6 فرہنگ

خورشید ۔۔۔ سورج

ارض وسماء۔۔۔ زمین وآسمان

1.7 مشقی سوالات

۱) جوش کے حیات وادبی خدمات

۲) جوش کی نظم نگاری کا جائزہ لیجئے۔

۳) جوش کی شاعری کا جائزہ لیجئے۔

1.8 مزید مطالعہ کے لیے کتب

۱) شعلہ وشبنم۔۔۔جوش

۲) انتخاب کلیات جوش ۔۔۔۔۔ڈاکٹر فضل امام

۳) جوش ملیح آبادی انسان اور شاعر۔۔۔۔سیّد احتشام حُسین

☆☆☆

اکائی 3 ۔مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 مصنف کا تعارف

1.3 نظم

1.4 خلاصہ

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کے وہ اُردو کے نامور شاعر فیض احمد فیضؔ کے حالات زندگی اور ادبی خدمات سے روشناس کرائیں۔

اس اکائی میں شامل فیضؔ کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نا مانگ'' کی تشریح کریں۔

☆ نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نا مانگ'' کا جائزہ لیتے ہوئے اسکے مرکزی خیال کی نشان دہی کریں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں اُردو نظم کے مشہور شاعر فیض احمد کا تعارف کرائیں گے اور انکی نظم کا مزکری خیال بتاتے ہوئے اس نظم کی تشریح بھی کریں گے اور اس نظم کا عمومی جائزہ بھی لیں گے۔

1.3 مصنف کا تعارف:

فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۴ء) فیضؔ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے جو اب پاکستان کا شہر ہے۔اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے پہل تدریس کا پیشہ اختیار کیا بعد میں صحافت سے وابستہ ہوئے۔ترقی پسند شاعروں میں فیض کا مرتبہ بلند ہے۔وہ کمیونسٹ تھے اور آخر تک کمیونزم پر قائم رہے۔حکومت کی نظر میں ہمیشہ مشکوک رہے۔باغیانہ سرگرمیوں کے الزام میں ان پر

کا حسین سنگم نظر آتا ہے۔فیض کی شاعری میں غم جاناں بھی ہے اور غمِ روزگار بھی۔لیکن غمِ جاناں پر غم روزگار غالب نظر آتا ہے۔ فیض کی غزلیں اور نظمیں دونوں بھی جاندار ہوتی ہیں۔نقشِ فریادی رو ہیئت صبا، زنداں نامہ، دستِ تہہ سنگسرِ داری سینا، شام شہر یاراں، میرے دل میرے مسافر، کلامِ فیض، سارے سخن ہمارے، فیض کے شعری مجموعوں کے نام ہیں۔

1.3 نظم

''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نا مانگ''

میں نے سمجھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کا ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے ؟
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہوجائے
یوں نہ تھا' میں نے فقط چاہا تھا یوں ہوجائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

ان گنت صدیوں کے تاریخ بہیمانہ طلسم
ریشم و اطس و کمخاب میں بُنوائے ہوئے
جابجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن ' مگر کیا کیجئے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

1.4 خلاصہ:

فیض احمد فیضؔ ترقی پسند شعراء کے امام کہلاتے ہیں۔ ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' یہ نظم فیض کی ایک مشہور نظم ہے جس میں انہوں نے معشوق کے آسمانی تصور کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس میں انہوں نے معشوق کو زمین پر بسنے والی مخلوق قرار دیتے ہوئے عشق کے تعلق سے اک نئے نقطہ نظر کو پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ اصل میں ترقی پسند تحریک کے منشور کے مطابق ہے۔ ترقی پسند تحریک نے یہ طئے کیا تھا کہ فن کے ذریعہ محبت کی سچائیوں کو پیش کریں گے' عام لوگوں کے مصائب کو دور کریں گے' کمزور' بے بس اور لاغر محنت کشوں' مزدوروں اور کسانوں کی حمایت کریں گے اور فن کے ذریعے شاعری کے ذریعے حقیقت پسندی کے رجحان کو عام کریں گے۔ یہ نظم اس تحریک کے منظوم اعلان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اُردو شاعری میں معشوق کے تعلق سے جو بھی لکھا گیا تھا اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عہدِ قدیم کے شعراء معشوق کو آسمان کی حور سمجھتے تھے اور اسے اپنے دکھ درد کا ساتھی بنانے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ ترقی پسندوں نے اس رویئے کے خلاف آواز اٹھائی اور اعلان کیا کہ معشوق کوئی آسمانی مخلوق نہیں بلکہ گوشت پوست کا انسان ہے۔ اُسے ہمارے دکھ درد میں برابر کی شرکت کرنی چاہیے۔

فیض نے اس نظم میں رومانس اور حقیقت کا بڑا حسین امتزاج پیش کیا ہے۔ ایک طرف وہ حسن کی 'معشوقہ کی' محبوبہ کی نہایت خوبصورالفاظ میں تعریف کرتے ہیں۔ تعریف کے اس حصے میں قدیم کلاسیکی اُردو شاعری کے بے مثل ترجمان ہیں تو دوسری طرف ترقی پسند خیالات اور رجحانات کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس تبلیغ میں انہوں نے کبھی بھی فنی تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ہر جگہ فن کو پہلے فن رہنے دیا اس کے بعد جزوی طور پر اپنے پیغام کو خوبصورت استعاروں کے ذریعے بیان کیا۔

''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' اس نظم کے پہلے حصے کو شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اب مجھ سے پچھلے زمانے کی محبت کی توقع نہ رکھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ تم ہو تو حیات درخشاں ہے' تمہارا غم دہر کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے تمہاری صورت کی وجہ سے ہی دنیا میں بہاریں ہیں اور اس دنیا میں تمہاری آنکھوں سے بڑھ کر حسین کوئی شئے ہے ہی نہیں۔ میرا یہ خیال تھا کہ اگر تم مل جاؤ گی تو تقدیر جھک جائے گی لیکن یہ میرا خیال خام تھا حقیقت اس کے برعکس تھی۔

اس نظم سے پہلے بند کے آخری شعر سے شاعر غم یار سے ہٹ کر غم دنیا کی طرف بڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس دنیا میں محبت کے علاوہ اور بھی دکھ درد ہیں۔ وصل کی راحت کے علاوہ اور بہت سی راحتیں ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ بے شک اب بھی تمہارا حسن دلکش ہے لیکن دوسری چیزیں بھی تو میری توجہ کی محتاج ہیں۔ ہم جس دنیا میں سانس لے رہے اس دنیا کے بے شمار اذیت ناک مسائل ہیں۔ شاعر دنیا کے مسائل کی تفصیل بیان کرنا شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صدیوں سے نسلِ انسانی پر ظلم وستم جاری ہے۔ سرمایہ دار' زمیندار' جاگیردار یہ سب مزدوروں' غریبوں اور کسانوں کا خون چوس رہے ہیں۔ مذہبی استحصال صدیوں سے جاری ہے۔ جسموں کو یہاں خریدا جاتا ہے' بے دریغ غریبوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ اس دنیا میں ظلم وستم' لوٹ کھسوٹ اور

استحصال کو ختم کرنا، مزدروں اور محنت کشوں کو اُن کا حق دلانا بھی تو آج ہمارا فرض ہے۔صرف محبت اور وصل کی چاہت سے کیا ہوتا ہے۔اس دنیا میں ایسا انقلاب لانے کی ضرورت ہے کہ جس کی وجہ سے ہر انسان کو اس کا جائز حق مل جائے اور اس انقلاب کو لانے کی جدو جہد اب ہم کو کرنی ہے۔اس لئے اب ہم دنیا و مافیہا کو بھلا کر صرف تم سے محبت نہیں کر سکتے ہم کو اب اس دنیا کو سنوارنے کا کام کرنا ہے اس لئے ہم سے پہلی سی محبت کی اُمید مت رکھو کیونکہ ہماری نظر اب تمہارے حسن و جمال کے علاوہ دنیا کے ان سلگتے ہوئے مسائل کی طرف بھی جاتی ہے اور اب ہم کو ان کا علاج کرنے کی جدو جہد میں مصروف ہونا ہے۔

فیض احمد فیضؔ کی نظم ایک طرح کمیونزم نقطہ نظر کی ترجمان ہے۔لیکن اس نظم میں شاعر نے فنی نزاکتوں اور شعری حسن کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے۔اس لئے یہ نظم ایک شاہکار نظم سمجھی جاتی ہے۔

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

الف) مختصر جواب دیجئے۔

۱) اُردو شاعری میں معشوق کا روایتی تصور کیا تھا؟ بیان کرو۔

۲) اس نظم کے پہلے مصرعہ میں شاعر نے اپنی محبوبہ سے کیا کہا ہے؟

ب) پانچ سات سطروں میں جواب لکھئے۔

۱) اس نظم کے ابتدائی بند کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجئے۔

اس نظم کے دوسرے حصے کا خلاصہ لکھئے۔

''مجھ سے پہلی سے محبت میرے محبوب نہ مانگ'' اس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجئے۔

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

شعری تصنیفات

۱) نقش فریادی

۲) دست صبا

۳) زنداں نامہ

۴) دست تہِ سنگ

۵) سر وادی سینا

۶) شام شہر یاراں

۷) میرے دل میرے مسافر

۸) غبار ایام

نثری تصانیف

۱) میزان (تنقیدی مضامین) صلیبیں میرے دریچے میں (خطوط) متاعِ نوح و قلم (تقاریر) ماہ سال آشنائی (یادیں) قرض دوستاں (مقدمے دیباچے)

☆☆☆

اکائی 3 ۔تاج محل

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 مصنف کا تعارف

1.3 نظم

1.4 خلاصہ

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کے وہ اُردو کے نامور شاعر ساحرلُدھیانوی کے حالات زندگی اور ادبی خدمات سے روشناس کرائیں۔

اس اکائی میں شامل ساحر کی نظم ''تاج محل'' کی تشریح کریں۔

☆ نظم ''تاج محل'' کا جائزہ لیتے ہوئے اسکے مرکزی خیال کی نشان دہی کریں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں اُردو نظم کے مشہور شاعر ساحرلُدھیانوی کا تعارف کرائیں گے اور انکی نظم کا مزکری خیال بتاتے ہوئے اس نظم کی تشریح بھی کریں گے اور اس نظم کا عمومی جائزہ بھی لیں گے۔

1.3 مصنف کا تعارف:

اصل نام عبدالحئ

تاریخ پیدائش 08 مارچ 1921 لدھیانہ (پنجاب)

وفات: 25/اکتوبر 1980 ممبئ

شعری مجموعے: تلخیاں، تنہائیاں ، گاتا جائے بنجارہ

آؤ کہ کوئی خواب بُنیں، پرچھائیاں

1.3 نظم

تاج محل

تاج تیرے لیے ایک مظہر الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادی رنگین سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

بزم شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی ؟
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری رحوں کا سفر کیا معنی ؟

میری محبوب پس پردہ تشہیر وفا
تونے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مردہ شاہوں کے مقابرسے بہنے والی
اپنے تاریخ مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے انکے
لیکن ان کے لئے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے
یہ عمارات و مقابر یہ فصلیں یہ حصار
مطق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
سینہ دہر کے ناسور ہیں کہنہ نامور
جذب ہے ان میں ترے اور میرے اجداد کا خوں

میری محبو ب! انھیں بھی تو محبت ہوگی
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکل جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام ونمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل
یہ چمن زاویہ جمنا کا کنارہ یہ محل
یہ منقش درودیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

1.4 خلاصہ

تاج محل :۔ ساحرؔ لدھیانوی کی شاہکار نظم ہے۔ ساحرؔ لدھیانوی ترقی پسند شاعر ہیں۔ اپنے کلام میں انھوں نے مزدوروں، کسانوں، غریبوں، مفلسوں اور مظلوموں کے مسائل کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں بادشاہوں، امیروں، میل مالکوں، حکومت اور ظالموں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ ''تاج محل'' میں بھی آپ کے ان ہی خیالات کی ترجمانی نظر آتی ہے۔

''تاج محل'' مغل شہنشاہ شاہجہاں نے اپنی چہتی بیوی ''ممتاز'' کی یاد میں تعمیر کروایا۔ اس لیے اسے محبت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ساحر لدھیانوی نے تاج محل کے متعلق ایک الگ ہی زاویے سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس اظہار میں بغاوت بھی ہے اور اپنے محبوب سے سچی محبت کا اظہار بھی۔

ساحرؔ اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ''تاج محل'' تیرے لیے الفت کی نشانی ہے اور تجھے اس سے بہت لگاؤ اور عقیدت ہے لیکن میری محبوب، تو مجھے تاج محل کی بجائے کہیں اور ملا کر کیوں کہ یہ عمارت شہنشاہ کی تعمیر کردہ ہے اور ایک غریب انسان ہوں۔ میں تیرے لیے ''تاج محل'' نہیں بنا سکتا۔''

شاہجہاں، شہنشاہ تھا۔ اس کے پاس سلطنت تھی، بے شمار خزانے تھے۔ اس کے حکم کے آگے ہر خاص و عام بلکہ بادشاہ بھی سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ اس نے اپنی دولت اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی بیوی سے اظہارِ محبت کی خاطر ''تاج محل'' بنوایا جس کی تعمیر میں سینکڑوں مزدوروں نے سالہا سال مزدوری کی۔ کئی سالوں کی محنت و مشقت کے بعد اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں بے انتہا دولت خرچ ہوئی۔ ان تمام کاوشوں کے نتیجے میں ایک بے مثل و بے مثال اور انتہائی خوبصورت عمارت وجود میں آئی۔ سنگِ مرمر سے بنی ہوئی اس عمارت میں بے حد خوبصورت دلکش نقش و نگاری کی گئی ہے۔ اس عمارت کے چپے چپے سے خوبصورتی، شان و شوکت اور شہنشاہ کا جاہ و جلال اور اس کا رعب و دبدبہ جھلکتا ہے۔

ساحرؔ کہتے ہیں کہ میری نظر میں یہ محبت کی نشانی نہیں۔ ایک شہنشاہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کی نشانی ہے ایک بے لگام بادشاہ کی بے لگامی کی نشانی ہے۔ اس کے غرور و گھمنڈ کی نشانی ہے۔ کیوں کہ محبت صرف بادشاہ ہی نہیں کرتا۔ محبت مزدور بھی کرتے ہیں۔ محبت غریب، مفلس اور نادار بھی کرتے ہیں لیکن ان کے پاس اظہارِ محبت کے لیے ''تاج محل'' بنانے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ ان کے پاس اتنا روپیہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

ساحرؔ اپنی محبوبہ سے کہتے ہیں کہ ''تاج محل'' کی تعمیر مزدوروں نے کی۔ ان مزدوروں کی بھی بیویاں تھیں۔ انھیں بھی اپنی بیوں سے محبت تھی۔ اس محبت کی خاطر اس کی پرورش کی خاطر وہ محنت مزدوری کیا کرتے تھے۔ ان سبھوں نے مل کر اس عمارت کی تعمیر میں اپنا خون پسینہ ایک کیا۔ ساحرؔ کہتے ہیں۔

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

تبصرہ:

اُردو میں ''تاج محل'' پر سکندر علی وجدؔ، میکس حیدرآبادی، شکیلؔ بدایونی اور دیگر شعراء نے اپنے نقطہ نظر سے نظمیں لکھیں۔لیکن ساحرؔ کا نقطہ نظر بالکل الگ ہے۔ان کے نقطہ نظر کو آج تک کوئی چیلنج نہیں کر پایا۔ان کی اسی سوچ نے اُن کو اُردو شاعری میں ایک خاص مقام و مرتبہ عطا کیا۔یہی وجہ ہے کہ ''تاج محل'' میں فنِ شاعری کی خامیاں ہونے کے باوجود یہ نظم نہ صرف ان کی شاہکار ہے بلکہ اُردو ادب کی شاہکار نظموں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔

اس نظم کے مطالعے سے قارئین کو یہ درس ملتا ہے کہ انسان کو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہیے جتنی اس کی چادر ہے۔ کیوں کہ اپنی ظرف سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشیشیں کرنا حماقت ہے۔عقلمندی نہیں۔

1.5 فرہنگ

کامل	:	مکمل
تربت	:	مزار
مسکن	:	رہنے کی جگہ
سخن پرور	:	اُردو شاعری کے چاہنے والے
عقیدت	:	اعتقاد۔بھروسہ
نوا	:	آواز
معتوب	:	جس پر عذاب نازل ہو۔

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

۱)	کلیات ساحر	ساحرؔ لدھیانوی
۲)	ساحرؔ نمبر۔فن اور شخصیت	صابر دت
۳)	ساحرؔ لدھیانوی۔ایک مطالعہ	مخمور سعیدی

اکائی 4 ۔اجنتا سکندرعلی وجدؔ

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 وجد کی سوانح اور ادبی خدمات

1.3 نظم ''اجنتا'' اور اسکی تشریح

1.4 نظم ''اجنتا'' کا مرکزی خیال

1.5 عمومی جائزہ

1.6 خود جانچنے کے سوال اور جواب

1.7 سفارش کردہ کتابیں

1.8 فرہنگ

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ وجدؔ کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات بیان کرسکیں۔

☆ وجدؔ کی نظم ''اجنتا'' کا مرکزی خیال واضح کریں۔

☆ وجدؔ کی نظم ''اجنتا'' کی تشریح کرسکیں۔

☆ وجدؔ کی نظم ''اجنتا'' کا عمومی جائزہ لے سکیں۔

☆ اس اکائی میں پوچھے گئے سوالات کو از خود حل کریں۔

1.1 تمہید

یوں تو اُردو نظم نگاری میں اقبالؔ، فیضؔ، مجازؔ اور ساحرؔ کے نام نمایاں ہیں ان مشہور شاعروں کو اپنے نا کمال فن سے انتہائی بلندیوں تک پہنچایا ان شاعروں کے علاوہ بھی اور کئی شعراء نے نظم کے میدان میں اپنی سخن وری کا لوہا منوایا ہے۔ نظیرؔ،

جوشؔ، اخترؔ الایمان وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

اب اس اکائی میں ہم اُردو کے ایک اور معروف شاعر سکندر علی وجدؔ کا تعارف کرائیں گے اور ان کی نظم ''اجنتا'' کا مرکزی خیال واضح کرتے ہوئے اس نظم کی تشریح اور عمومی جائزہ پیش کریں گے۔

1.3 سکندر علی وجدؔ۔۔۔سوانح اور ادبی خدمات

سکندر علی وجدؔ ۱۹۱۴ء میں ویجاپور ضلع اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ان کی ابتدائی تعلیم اورنگ آباد ہی میں ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان امتیازی نشانات کے ساتھ پاس کیا۔۱۹۳۷ء میں حیدرآباد سول سروس کے لئے ان کا انتخاب عمل میں آیا۔۱۹۳۰ء میں اورنگ آباد میں شاعری کا آغاز ہوا یعنی محض سولہ سال کی نوجوانی میں شعرو سخن کی طرف راغب ہوئے۔اسی سال کالج میگزین ''نورس'' کے مدیر مقرر ہوئے۔۱۹۳۶ء میں 'مجلّہ عثمانیہ' کے مدیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۴ء تک وجد ریاست مہاراشٹر میں ایڈیشنل سشن جج رہے اور بمبئی میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اسی سال انجمن ترقی اُردو ہند مہاراشٹر کے صدر منتخب ہوئے۔

ان کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔کہ وہ علامہ اقبال سے کافی متاثر ہیں اور انھیں کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔انھوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف سخن میں نام پیدا کیا۔ان کی غزلیں خوبصورت اور دل کو چھونے والی ہیں۔انھوں نے حسن وعشق جیسے نازک ترین احساسات کو بہت ہی دلکش انداز میں اپنی غزلوں میں سجایا ہے۔انھوں نے نظم میں بھی اپنا ایک منفرد مقام بنایا ہے۔یوں تو ہر موضوع پر نظمیں لکھیں لیکن ہندوستان کے فن تعمیر کے اعلیٰ نمونوں پر ان کی نظمیں قابل داد ہیں۔اس طرح ان کی نظموں نے اردو نظم نگاری کے دامن کو مالا مال کیا ہے۔ان کا کلام کے چار مجموعے 'لہو ترنگ' 'آفتاب تازہ' اور 'اوراق مصور' بیاض مریم' منظر عام پر آچکے ہیں۔۱۹۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ان کی نظموں میں اجنتا، ایلورا، تاج محل، جگنو اور گہوارہ مسیح اُردو نظم کا لازوال سرمایہ ہیں۔

1.4 نظم

اجنتا

جہاں خونِ جگر پیتے رہتے اہل ہنر برسوں
جہاں لگتا رہا، رنگوں میں آہوں کا اثر برسوں
جہاں کھنچتا رہا، پتھر عکس خیر و شر برسوں
جہاں قائم رہے گی، جنت قلب ونظر برسوں

جہاں نغمے جنم لیتے ہیں، رنگینی برستی ہے
دکن کی گود میں آباد وہ خوابوں کی بستی ہے

شراب وشعر کی تاثیر ہے ٹھنڈی ہواؤں میں
بہارِ زندگی غلطاں ہے، سبزے کی اداؤں میں
نوائے سرمدی آتی ہے جھرنوں کی صداؤں میں
بیاں ممکن نہیں، وہ لطف آتا ہے دُعاؤں میں

یہاں صدیوں سے رائج پرسکوں شیریں مقالی ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ مظر شانِ جمالی ہے

تجلی زارِ عرفاں شاہ کارِ ابن آدم ہے
سرِ فطرت عمل کی بارگاہ، حسن میں خم ہے
تمدن منعکس ہو جس میں ایسا ساغر جم ہے
جمالِ زندگی، رہن جلال عزمِ گوتم ہے

امیدِ جانِ تازہ پھر دل بسمل میں آئی تھی
تلاشِ امن میں تہذیب اس منزل میں آئی تھی

جگر کے خون سے کھینچے گئے نقش لاثانی
تصدق جن کے ہر خط پر تخیر خانہ مانی
مشکل ہے شباب وحسن میں تخئیل انسانی
تقدس کے سہارے جی رہا ہے ذوق عریانی

حسینانِ اجنتا کا جنوں سرتاج ہے گویا
یہاں جذبات کے اظہار کی معراج ہے گویا

گلستاں سے جو گزرا کارواں فصل بہاری کا
بہانہ مل گیا اہل جنوں کو حسن کاری
کا چٹانوں پر بنایا نقش دل کی بے قراری کا
سکھایا گر اُسے جذبات کی آئینہ داری کا

دل کہسار میں محفوظ اپنی داستاں رکھ دی
جگر داروں نے بنیادِ جہانِ جاوداں رکھ دی

کہیں پیدا ہے ساری کیفیت، صحن گلستان کی
کہیں رونق نظر آتی ہے بازار و شبستاں کی
کہیں حسرت زبان حال ہے حال پریشاں کی
لکیریں ہیں کہ شریانیں، دل انساں وحیواں کی

کہیں ظلمت کے پیچھے روشنی محسوس ہوتی ہے
کہیں تو موت میں بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

ہنرمندوں نے تصویروں گیا جان بھردی ہے
ترازو، دل میں ہوجاتی ہے وہ کافر نظر دی
اداؤں سے عیاں ہے لذتِ دردِ جگر دی ہے
کھلیں گے راز، اس ڈر سے دہن پر مہر کردی ہے

یہ تصویریں بظاہر ساکن و خاموش رہتی ہیں
مگر اہل نظر پوچھیں تو دل کی بات کہتی ہیں

کرشمہ ہے یہ اربابِ ہنر کی سعی پیہم کا
جنھیں احساس بھی ہوتا نہ تھا کچھ شادی وغم کا
دلوں پر عکس کھنچ آیا تھا جن کے حسن عالم کا
قلم کو نقش ازبر ہوگیا تھا اسمِ اعظم کا

چٹانوں پر شباب وحسن کی موجیں رواں کردیں
فسوں کاروں نے رنگوں میں مقید بجلیاں کردیں

جہاں چھوڑا خوشی سے جاوداں پیغام کی خاطر　　صف آرا تھے شکستِ گردش ایام کی خاطر
جھکایا سر نہ اپنا شہرت و انعام کی خاطر　　جیے بھی کام کی خاطر، مرے بھی کام کی خاطر

زمانے کی جبیں پر عکس چھوڑے ہیں نگاہوں کے
زہیں گے نقش ان کے نام مٹ جائیں گے شاہوں کے

1.3 نظم ''اجنتا'' اور اسکی تشریح

(بند)(۱): دکن کی گود میں ہنرمندوں نے چٹانوں پر حسین نقش بنا کر خوابوں کی ایک بستی آباد کی ہے۔ جہاں ہر طرف نغمے پھوٹتے ہوئے اور رنگ برستے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یہاں کئی برس تک فن کاروں نے بے شمار تکالیف برداشت کرتے ہوئے اپنے دلوں کے درد کو رنگوں میں پیش کیا اور اسقدر خوبصورت تصویریں بنائیں کہ دیکھنے والے ان تصاویر کو دل و نگاہ کی جنت کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(بند)(۲) ان کاریگروں نے چٹانوں پر کہیں کہیں ایسے گل بوٹے تراشتے ہیں اور ایسے دل فریب رنگ بھر دیئے ہین کہ وہ حصے باغ معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں بازار کی رونق اور شبستان کے مناظر ہیں اور کہیں اندھیروں کو اسطرح دکھایا گیا ہے کہ ان کے پیچھے روشنی سی معلوم ہوتی ہے۔ گویا موت میں زندگی کی حرارت بھر دی ہے۔

(بند)(۳): یہ چٹانیں اور ان پر بنے نقش ان بہادروں کی مسلسل کوشش کا کرشمہ ہے۔ وہ اپنے کام میں شب و روز اسطرح ڈوبے ہوئے تھے کہ انھیں خوشی کا احساس تھا اور نہ غم کا۔ انھوں نے اتنی خوبصورت تصویریں اور نقش بنائے کہ جیسے ان کے دلوں پر دنیا کی ساری خوبصورتی اتر آئی تھی اور وہی خوبصورتی وہ ان تصویروں میں بھر رہے تھے۔ یہ انسانی کام ہرگز معلوم نہیں ہوتے۔ یقیناً ان کے قلم میں خدا کا بزرگ و مقدس نام موجود تھا۔ ان جادوگروں نے چٹانوں پر حسن اور جوانی کی موجیں رواں کر دیں اور اپنے دست ہنر سے رنگوں میں بجلیوں کو قید کر دیا۔

بند(۴) ان فن کاروں نے شب و روز کی محنت سے ایسے لافانی نقش بنائے ہیں کہ دنیا کے سب سے مشہور مصور مانی کی تصویریں بھی ان چٹانوں پر قربان ہوتی نظر آتی ہیں۔ اپنے تصور کے ذریعہ ان کاریگروں نے چٹانوں پر حسن اور جوانی کی ایسی تصویریں بنائی ہیں کہ ان عریاں تصویروں کو دیکھ کر انسان کے دل میں کوئی گندہ خیال پیدا نہیں ہوتا بلکہ ان تصویروں میں پاکیزگی دکھائی دیتی ہے۔

بند(۵) : ان فن کاروں میں اپنا فن اور ہنر پیش کرنے کی ایسی دھن اور دیوانگی تھی کہ انھوں نے ساری زندگی صرف اسی ایک ایک کام کی خاطر وقف کردی۔انھوں نے شہرت اور انعام کی خاطر کسی کے آگے سر نہیں جھکایا۔بس وہ زندہ رہے تو اپنے اسی کام کی خاطر اور مرے بھی اسی کام کی خاطر۔آخر کار وہ ایسے کام کر گئے کہ بادشاہوں کے نام دنیا سے مٹ جائیں گے لیکن ان فنکاروں کے شاہکار ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

1.4 نظم ''اجنتا'' کا مرکزی خیال

ہندوستان کی عظیم الشان تاریخ کا ایک روشن اور سنہرا باب یہ بھی رہا ہے کہ اس کے باکمال، محنت کش اور اپنے فن کو عبادت کا درجہ دینے والے کاریگروں نے ایسے حسین وجمیل، فردوس نگاہ اور لافانی تعمیراتی کام انجام دئے ہیں کہ اس کی مثال دنیا کے کسی اور خطے میں ناپید ہے۔ ہمارے فنکاروں کے بخشے ہوئے یہ فن پارے ہمارے لئے، ہمارے ملک وقوم کے لئے قابل فخر ومسرت ہیں۔

دکن کی گود میں آباد اجنتا کے غار اپنی مثال آپ ہیں۔آج سائنس کی ترقی کے اس دور میں ان چٹانوں پر ابھارے ہوئے نقش ونگار کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔اس زمانے کے بے انتہا غریب لیکن عظیم فن کاروں اور کاریگروں نے اپنی رات دن کی محنت سے، بے شمار تکالیف سہتے ہوئے بھوکے پیاسے رہ کر ان سنگین چٹانوں پر ایسے ایسے حسین وجمیل اور حیرت انگیز نقش ابھارے ہیں کہ سارا عالم انھیں دیکھ کر حیرت زدہ ہے۔ان فنکاروں نے اپنی آہنوں کا اثر رنگوں میں گھول دیا ہے۔ان سنگ تراشوں نے یہاں ایسا کرشمہ کر دکھایا ہیکہ یہاں اندھیرے میں روشنی اور موت میں زندگی محسوس ہوتی ہے۔ان فنکاروں نے اس تاریخی اور عظیم کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔نہ انھیں وقت کا ہوش تھا نہ کھانے پینے کا، نہ غم اور خوشی کا بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ ایسے نقوش چھوڑ جائیں کہ قیامت تک ان کا کام زندہ رہے اور وہ یقیناً اپنے کام اور آرزو کی تکمیل میں سو فی صد کامیاب رہے۔انھوں نے تصویروں میں زندگی بھر دی ہے۔ہر تصویر اور نقش سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ان دیوانے فنکاروں نے چٹانوں پر ایسی جادوگری کی ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام مٹ جائیں گے لیکن ان کے فن کے نمونے چٹانوں میں زندہ رہیں گے۔

عمومی جائزہ:

سکندر علی وجدؔ کی یہ نظم بھی اجنتا کی طرح ہمیشہ زندہ رہے گی۔انھوں نے اس نظم میں دکن کی گود میں موجود اس خوابوں کی بستی کا ذکر کیا ہے جسے دنیا اجنتا کے نام سے جانتی ہے۔وجد نے ان تمام فن کاروں کو بے حد سراہا ہے جنھوں نے خود جگر پی پی کر یہ لافانی نقش بنائے ہیں۔وجد کہتے ہیں کہ ان غاروں میں گست پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف رنگینی برستی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ان حسن کاروں نے رنگوں میں بجلیوں کو قید کر رکھا ہے۔یہ لاجواب نقش ان فنکاروں نے خون جگر سے بنائے ہیں اور ایسے حیرت انگیز بنائے ہیں کہ انھیں دیکھ کر دنیا کا مشہور مصور مانی بھی حیران ہے۔ایسا لگتا ہے کہ ان بہادر اور جیالے ہنر مند نے موسم بہار کو دیکھا اور اسکی ساری خوبصورتی، تازگی، خوشبو اور رنگ ان چٹانوں کے نقوش میں بھر دئے ہیں یہاں بنی ہوئی ہر تصویر

بالکل زندہ جاوید معلوم ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ابھی بول پڑے گی۔ باریک لکروں کو بھی اتنی چابکستی اور دست کمال سے بنایا ہے کہ وہ ایسی رگیں معلوم ہوتی ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہو۔ ان فنکاروں نے اپنی ساری زندگی چٹانوں میں ان لافانی نقوش کو ابھارنے میں گزار دی۔ انھیں نہ دن رات کا ہوش تھا نہ خوشی اور غم کا احساس تھا۔ بس ایک ہی دھن اور دیوانگی تھی کہ ایسے لاجواب نقوش ان چٹانوں پر ابھار دین کہ دنیا میں اس کام کی دھم مچ جائے۔ اس لئے وجد نے بہت سی سچی بات کہی ہے کہ دنیا سے بادشاہوں کے نام مٹ جائیں گے لیکن اجنتا کی فن کاری اور کاریگری قیامت تک قائم ودائم رہے گی۔

1.5 فرہنگ

خون جگر پینا	سخت تکلیفیں اٹھانا
اہل ہنر	فن کار۔ کاریگر
خیر	اچھائی
شر	برائی
قلب	دل
صحن گلستاں	باغ
شبستاں	رات گزارنے کی جگہ
ارباب	رب کی جمع
ہم	ہمت کی جمع
سعی	کوشش
پیہم	لگاتار
شادی	خوشی
حسن عالم	دنیا کی خوبصورتی
ازبر	زبانی یاد
اسم اعظم	خدا کا بزرگ نام
فسوں کار	جادوگر
مقید	قید کیا گیا
لاثانی	لاجواب
تصدق	قربان
مانی	ایک مشہور مصور کا نام

1.3 نظم ''اجنتا'' اوراسکی تشریح

ہندوستان کی عظیم الشان تاریخ کا ایک روشن اور سنہرا باب یہ بھی رہا ہے کہ اس کے باکمال، محنت کش اور اپنے فن کو عبادت کا درجہ دینے والے کاریگروں نے ایسے حسین وجمیل، فردوس نگاہ اور لافانی تعمیراتی کام انجام دئے ہیں کہ اس کی مثال دنیا کے کسی اور خطے میں ناپید ہے۔ ہمارے فنکاروں کے بخشے ہوئے یہ فن پارے ہمارے لئے، ہمارے ملک وقوم کے لئے قابل فخر ومسرت ہیں۔

دکن کی گود میں آباد اجنتا کے غار اپنی مثال آپ ہیں، آج سائنس کی ترقی کے اس دور میں ان چٹانوں پر ابھارے ہوئے نقش ونگار کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس زمانے کے بے انتہا غریب لیکن عظیم فن کاروں اور کاریگروں نے اپنی رات دن کی محنت سے، بے شمار تکالیف سہتے ہوئے بھوکے پیاسے رہ کر ان سنگین چٹانوں پر ایسے ایسے حسین وجمل اور حیرت انگیز نقش ابھارے ہیں کہ سارا عالم انھیں دیکھ کر حیرت زدہ ہے۔ ان فنکاروں نے اپنی آہوں کا اثر رنگوں میں گھول دیا ہے۔ ان سنگ تراشوں نے یہاں ایسا کرشمہ کر دکھایا ہیکہ یہاں اندھیرے میں روشنی اور موت میں زندگی محسوس ہوتی ہے۔ ان فنکاروں نے اس تاریخی اور عظیم کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ نہ انھیں وقت کا ہوش تھا نہ کھانے پینے کا نہ غم اور خوشی کا بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ ایسے نقوش چھوڑ جائیں کہ قیامت تک ان کا کام زندہ ہے اور وہ یقیناً اپنے کام اور آرزو کی تکمیل میں سو فی صد کامیاب رہے۔ انھوں نے تصویروں میں زندگی بھر دی ہے۔ ہر تصویر اور نقش سانس لیا ہوا محسوس ہوتا ہیا ور وہ یقیناً اپنے کام اور آرزو کی تکمیل میں سو فی صد کامیاب رہے۔ انھوں نے تصویروں میں زندگی بھر دی ہے۔ ہر تصویر اور نقش سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ان دیوانے فنکاروں نے چٹانوں پر ایسی جادوگری کی ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام مٹ جائیں گے لیکن ان کے فن کے نمونے چٹانوں میں زندہ رہیں گے۔

1.5 عمومی جائزہ

سکندر علی وجدؔ کی یہ نظم بھی اجنتا کی طرح ہمیشہ زندہ رہے گی۔ انھوں نے اس نظم میں دکن کی گود میں موجود اس خوابوں کا بستی کا ذکر کیا ہے۔ جسے دنیا اجنتا کے نام سے جانتی ہے۔ وجد نے ان تمام فن کاروں کو بے حد سراہا ہے۔ جھنوں نے خون جگر پی پی کر یہ لافانی نقش بناتے ہیں۔ وجد کہتے ہیں کہ ان غاروں میں گست پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف رنگینی برستی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان حسن کاروں نے رنگوں میں بجلیوں کو قید رکھا ہے۔ یہ لاجواب نقش ان فنکاروں نے خون جگر سے بنائے ہیں اور ایسے حیرت انگیز بنائے ہیں کہ انھیں دیکھ کر دنیا کا مشہور مصور مای بھی حیران ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان بہادر اور جیالے ہنرمند نے موسم بہار کو دیکھا اور اسکی ساری خوبصورتی، تازگی، خوشبو اور رنگ ان چٹانوں کے نقوش میں بھر دئے ہیں یہاں بنی ہوئی ہر تصویر بالکل زندہ جاوید معلوم ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہیکہ ابھی بول پڑے گی۔ باریک لکروں کو بھی اتنی چابک بستی اور دست کمال سے بنایا ہے کہ ایسی رگیں معلوم ہوتی ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہو۔ ان فنکاروں نے اپنی ساری زندگی چٹانوں میں ان لافانی نقوش کو ابھارنے میں گزار دی۔ انھیں نہ دن رات کا ہوش تھا۔ نہ خوشی اور غم کا احساس تھا۔ بس ایک ہی دھن اور دیوانگی تھی کہ ایسے لا

جواب نقوش چٹانوں پر ابھاریں کہ دنیا میں اس کام کی دھوم مچ جائے۔اس لئے وجد نے بہت ہی سچی بات کہی ہے کہ دنیا سے بادشاہوں کے نام مٹ جائیں گے لیکن اجنتا کی فن کاری اور کاریگری قیامت تک قائم ودائم رہے گی۔

1.6 خود جانچنے کے سوال اور جواب

سوال نمبر: وجد کی نظم ''اجنتا'' کا مرکزی خیال واضح کیجئے۔

سوال نمبر: وجدؔ کی نظم'' اجنتا'' کا عمومی جائزہ لیجئے۔

1.7 سفارش کردہ کتابیں

لہو ترنگ	وجدؔ	اوراق مصور	وجدؔ
ریاض مریم	وجدؔ	آفتاب تازہ	وجدؔ

نظمیں آل احمد سرور

اکائی 2 ۔بازیابی

اکائی کے اجزاء

1.0 مقاصد

1.1 تمہید

1.2 مصنف کا تعارف

1.3 نظم

1.4 خلاصہ

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

1.0 مقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کے وہ اُردو کے نامور شاعرہ شفیق فاطمہ شعریٰ کے حالات زندگی اور ادبی خدمات سے روشناس کرائیں۔

اس اکائی میں شامل شفیق فاطمہ شعریٰ کی نظم ''بازیابی'' کی تشریح کریں۔

☆ نظم ''بازیابی'' کا جائزہ لیتے ہوئے اسکے مرکزی خیال کی نشان دہی کریں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں اُردو نظم کے مشہور شاعر شعریٰ کا تعارف کرائیں گے اور انکی نظم کا مزکری خیال بتاتے ہوئے اس نظم کی تشریح بھی کریں گے اور اس نظم کا عمومی جائزہ بھی لیں گے۔

1.3 مصنف کا تعارف:

(۱۹۳۰۔۲۰۱۲ء) شفیق فاطمہ شعریٰ کے آباواجداد کا تعلق سہارن پور (اتر پردیش) سے تھا۔ان کے والد کی ملازمت ناگپور میں تھی۔شعریٰ کی پیدائش یہیں ہوئی۔ بعد میں ان کا خاندان اورنگ آباد منتقل ہوا۔ایم۔اے۔بی۔ایڈ کر کے درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہوئیں۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔شعریٰ کی ابتدائی تعلیم و تربیت خالص مذہبی ماحول میں ہوئی۔اسی لیے ان کے ذہن وفکر پر ابتداء ہی سے مذہبی رنگ غالب رہا۔ جب ان کی شادی حیدرآباد میں ہوئی تو یہ حیدرآباد

میں بس گئیں۔ شفیق فاطمہ شعریٰ خالص نظم نگار شاعرہ تھیں۔ ان کی نظمیں گہری علمی بصیرت سے معمور ہوتی ہیں۔ علمی وفلسفیانہ رنگ ان کی نظموں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ گہرائی و گیرائی، فلسفہو تفکر اور مذہبی حسیت ان کی نظموں کی اہم خصوصیات ہیں۔ شعریٰ کا لہجہ نرم اور دھیما ہے۔ ''گلہ صفورہ''، آفاقِ نوا''، ''کرن کرن یاداشت''سلسل''، ''ہ مکالمات''شفیق فاطمہ شعریٰ کے شعری مجموعے ہیں۔

1.3 نظم:

شفیق فاطمہ شعریٰ

بازیابی

ذراسی رنجش بیجا
وہ گردابِ بلا جس میں
سفینہ دل کا اب ڈوبا کہ جب ڈوبا

ذراسا اک ہنکارا بھی اُبھرنے کو بہت ہے
اے عزیزِ مصر

بہت آفت رسیدہ ہم
بہت آفت رسیدہ خانداں والے
دیارِ قحط سے لائے ہیں پونجی بھی بہت کم
تو جھکتا تول، پورا ناپ دے
کھاتہ کھرا لکھ، چھوٹ بھی دے واجبی سچی
اگر کچھ چھوٹ دینے کی سکت ہے
اے عزیز مصر

پھر اس کے بدلے بھر بھر پلہ انواع جزا پا
مالک روزِ جزا سے اور ذخیرہ کر
یہی وہ موڑ تھا ٹکرا کے ٹوٹا جس سے

صوم خامشی اس کا
تو سچ سچ کہہ دیا اس نے
یہ کذب وافترا حاشا نہیں
دیکھو میں زندہ ہوں

ذرا سی دیر کو ارض وسما سناٹے میں آ کر
گلے ملتے ہیں
گرد آلود چہرے گرم اشکوں سے بھگوتے ہیں
سنبھلتے ہیں تو پھر چشمک زنی کا دور چلتا ہے

'اسے تو کھا گیا تھا بھیڑیا دشتِ اجل کا
پھر کہاں سے یہ نکل آیا،
فدا ہوتے ہیں عارض چومتے ہیں
ناگہاں کچھ یاد آتے ہیں
دیکھو اتنی دیر میں پھوٹا
ہمارے دل سے بڑھ کر دل ترا
پتھر صفت ہے
اے عزیز مصر !

☆☆☆

1.4 خلاصہ :

''بازیابی'' شفیق فاطمہ شعریٰ کی مشہور و معروف نظم ہے۔شعریٰ ناگپور میں پیدا ہوئی۔ان کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی ۔اس کے بعد وہ اورنگ آباد منتقل ہوئیں۔ یہاں انھوں نے ایم۔اے۔بی۔ایڈ تک کی تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد درس وتدریس سے وابستہ ہوئی۔ان کے گھر کا ماحول مذہبی تھا۔اسلامی تعلمات کا اثر ان پر گہرا تھا۔اسی لیے ان کے ذہن وفکر پر بچپن ہی سے مذہبی رنگ غالب رہا ۔شعریٰ خالص نظم نگاری شاعرہ تھیں۔ان کی نظمیں گہری علمی بصیرت سے معمور ہوتی ہیں۔علمی وفلسفیانہ رنگ ان کی نظموں میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔گہرائی و گیرائی فلسفہ وتفکر اور مذہبی حسیت ان کی نظموں کی اہم خصوصیات ہیں۔شعریٰ کا لہجہ نرم اور دھیما ہے۔گلہ صفورہ،آفاق نوا،کرن کرن یادداشت،سلسلۂ مکالمات ان کے شعری مجموعے ہیں۔

ناقدین کا یہ ماننا ہے کہ شعریٰ کی نظمیں پہلی قرات میں سمجھ میں نہیں آتیں۔ان کی نظموں کو سمجھنے کے لیے بار بار قرات کرنی پڑتی ہے۔کیونکہ ان کی نظمیں گہرئی و گیرئی سے مملو ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ اس میں فلسفیانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ایسی نظم جس میں فلسفہ وتفکر ہو،گہرئی کی حامل ہوتی ہی ہیں۔جس نظم میں گہرئی و گیرائی ہو سمجھنے میں دشوار ہوتی ہی ہے۔

نظم بازیابی بھی فکر وتفکر کی حامل ہے۔پانچ بند اور تیس مصرعوں پر مشتمل یہ نظم آزاد نظم کی ہئیت میں لکھی گئی ہے۔اس میں شاعرہ نے مسلم بادشاہوں پر طنز کے گہرے تیر چلائے ہیں۔نظم کے آغاز سے ہی وہ عزیز مصر سے مخاطب ہے اور اس سے انصاف وعدل کا مطالبہ اور رحم وکرم کی درخواست کررتی ہیں۔کہتی ہیں بے جا رنجش دلوں پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔جس کی وجہ سے دلوں میں میل آجاتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے سفینۂ دل پتا نہیں کب ڈوب جائے گا۔رنجشیں ناامیدی کو جنم دیتی ہیں۔ناامیدی کی حالت میں امید کی اک کرن بھی ایک ہنکارا بھی زندگی جینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔شاعرہ کہتی ہے۔اے عزیز مصر! ہم بہت آفت اور مصیبت کے مارے ہیں۔ہم ہی نہیں بلکہ ہمارا پورا خاندان مصیبت زدہ ہے۔ہم ایسے ملک سے آئے ہیں جہاں قحط سالی پڑی ہوئی ہے۔جس کی وجہ سے ہم اپنے ساتھ جو ساز وسامان اور روپے اور پیسے لائے ہیں وہ بھی بہت کم ہیں۔ہمارا سرمایائے حیات بہت مختصر ہے۔اس لیے شاعرہ عزیز مصر سے مطالبہ کرتی ہے کہ تو لین دین میں انصاف وعدل کا مظاہرہ کرنا ناپ تول میں خیانت نہ کر،ادھاری کا کھاتہ بالکل درست اور کھرا کھرا لکھ اور ہو سکے تو مناسب چھوٹ بھی دے۔اگر تو عدل وانصاف سے کام لے گا اور ہم مجبوروں پر رحم وکرم کا معاملہ کرے گا تو اس کے بدلے آخرت میں روزِ جزا یعنی قیامت کے دن تجھے کون ومکاں کا مالک اس کا پلہ بھر بھر کر یعنی خوب بہترین اجر وثواب سے نوازے گا۔لیکن عزیز مصر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ جواب تک صوم خامشی یعنی ایسا خاموش تھا جیسے روزہ ہو۔غصہ میں آکر بول پڑا یہ جھوٹ اور الزام تراشی ہے۔میں زندہ ہوں۔اسی اثنا میں ارض وسما یعنی زمین وآسماں سناٹے میں آکر ایک دوسرے کے گلے ملتے ہیں۔خوب روتے ہیں پھر جب سنبھلتے ہیں وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے ہیں۔گویا کہہ رہے ہیں اسے تو دشتِ اجل کا بھیڑیا یعنی جنگل کی موت کا بھیڑیا کھا گیا تھا پھر کہاں سے نکل آیا۔تعجب کرتے ہیں کہ یہ سب کیسے ہوا۔ارض وسما ایک دوسرے پر فدا ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے عارض چومتے ہیں اور پھر انھیں بیتی باتیں یاد آتی ہیں تو بہکنے لگتے ہیں۔یہ سب دیکھ اور سن کر اسی

دوران عزیز مصر کا پتھر دل موم ہو گیا۔ نظم یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

1.5 فرہنگ

1.6 مشقی سوالات

سوال: شفیق فاطمہ کے حیات و ادبی خدمات کا تفصیلی مطالعہ لکھئے۔

سوال: بازیابی نظم کا عمومی جائزہ لیجئے۔

1.7 مزید مطالعہ کے لئے کتب

۱)	گلہ	شفیق فاطمہ شعریٰ
۲)	صفورہ	شفیق فاطمہ شعریٰ
۳)	آفاق نوا	شفیق فاطمہ شعریٰ
۴)	کرن کرن یادداشت	شفیق فاطمہ شعریٰ
۵)	سلسلہ مکالمات	شفیق فاطمہ شعریٰ

1.8 مزید مطالعہ کے لئے کتب